سمیرا حمید

عالم لاہوت

"وقت تہجد؟"

نیم اندھیری۔ نیم روشن تنگ و کشادہ گلیوں میں وہ حمزہ عزیز جمالی ایسی چال میں چلتا جارہا ہے جیسے ننھی منی یک رنگ تتلیاں مولانا رومی کے عشق حقیقی کے صفحات پر جھوم جھوم چرن چھوتی ہوں اور پیا رنگ کالا میں رنگ رنگ جاتی ہوں۔ وہ تو من شدی۔ تو من شدی کا الاپ کرتی ہوں۔ اور اس رقص میں شامل ہوتی ہوں جسے رقص یار کہتے ہیں۔

وقت تہجد کا اندھیرا چھایا ہے جو دن کے اجالے سے دنیاداروں کے لیے کیا جاتا ہے ارفع و اعلا ہے یہ اندھیرا جو باطن کو پا جانے والے اللہ کے حضور سجدوں میں جھکے روشن پیشانیوں والوں کے نور سے سجا ہے۔

جاڑے کی سرد ترین رات ہے، جمالی کالی چادر کو سر سے وجود پر جھولتے چھوڑ کر کچھ ایسے قدم بڑھا رہا ہے جیسے اس نے سرگوشیاں سنی ہیں کہ اس پار نور والے بیٹھے ہیں۔ باجماعت ہونے کو ہیں۔ آؤ باجماعت۔ ہاں آؤ۔ وہ عالم وجد میں عالم سماع میں خاک سے کہیں دور شان سے قریب ہو جانے والے۔ آؤ باجماعت۔ عالم ناسوت (فانی دنیا) کو پیچھے چھوڑے عالم لاہوت (سالک کا مقام فنافی اللہ) کی طرف سفر کریں۔

عالم لاہوت کے شوق میں سفر کرتا عزیز جمالی اپنے قدم بڑھاتا جارہا ہے۔ آجاؤ وجود کو الف کرتے الف میں ڈھالتے الف کو پا جائیں۔ مسجد علاقے کو کہیں پیچھے چھوڑتے ذرا کنارے پر ہے، آس پاس کی کئی آبادیوں کو لگتی ہے۔ اسے جلدی نہیں ہے۔ وہ دیر بھی نہیں کر رہا۔ اسے ایسا لگتا ہے یہاں وہاں سے ایک جماعت سی بنی کہیں جارہی ہے۔ یہی جماعت جو گھروں سے نہیں نکلتی جو گھروں میں ملتی بھی نہیں۔ راہ یار میں یار اکٹھے ہوتے جارہے ہیں۔ یہ یار آبادیوں میں نہیں ملتے۔

"کالی چادر" اس کے باپ کی چادر اس کے سر سے وجود پر جھول رہی ہے۔

وہی چادر جو اس کے باپ نے اس وقت اوڑھ رکھی تھی جب وہ دوپٹے سے اپنی بیوی، اس کی ماں کا گلا گھونٹ رہا تھا، یہ چادر اس کے باپ کے وجود سے ایسے لپٹی تھی جیسے شر انسان کے نفس سے لپٹ کر اس کے ہاتھوں خیر کا قتل کرواتا ہے، یہی چادر اس کے سر سے ہوتی اس کے وجود پر ایسے جھول رہی تھی جیسے برگزیدہ صوفی کے وجود سے رضائے حقیقی لپٹی ہوتی ہے۔

یہ چادر اس کے وجود کا وہ حصہ تھی جو لباس ستر پوشوں کے لیے ہوتا ہے۔ یہ ہمہ وقت اسے یاد دلایا کرتی تھی کہ اس کے باپ نے کیا کیا۔ یہ اسے سکھایا کرتی تھی کہ اسے کیا نہیں کرنا۔ یہ صرف ایک کپڑا نہیں تھا یہ وہ بنیاد تھی جس پر اس نے حمزہ عزیز جمالی بشر کی بنیاد کھڑی کی تھی۔

مسجد کا دروازہ کھول کر وہ اندر آیا اور تہجد کی نماز کا اعلان کیا، بمشکل تین چار لوگ آجایا کرتے تھے نماز تہجد کے لیے وہ بھی کبھی کبھار ہی۔

اعلان تہجد، اذان فجر، ظہر اس کے ذمہ تھی کبھی کبھار جمعے کا خطبہ بھی دے دیا کرتا تھا جب ماموں شہر سے باہر ہوتے ان ہی دنوں وہ پانچ وقت کی اذان اور نمازوں کی امامت کرواتا تھا۔ نوری مسجد کے امام اس کے ماموں تھے لیکن ہمہ وقت وہ مسجد کے کاموں میں مصروف رہتا۔ مسجد جاتے ہوئے مسجد سے کھانا لینے آتے ہوئے، مسجد کی صفائی کرتے ہوئے، مسجد کے آس پاس کے وسیع کھلے احاطے کی کچی زمین پر پانی چھڑک کر صفائی کرتے ہوئے۔ چار اطراف بنی کیاریوں کی کانٹ چھانٹ کرتے ہوئے، گیلے کپڑے اور اخبار سے بڑا پھاٹک، دروازے کھڑکیاں صاف کرتے ہوئے، لمبے بانس پر ململ کا سفید اجلا کپڑا لپیٹ

کر دیواروں کی گرد صاف کرتے ہوئے۔ اندر کے باقی سازو سامان کو دھوپ لگواتے ہوئے۔ اس کے پاس جو سارے کام تھے وہ خانہ خدا سے متعلق ہی تھے' جس لگن محبت سے وہ یہ سارے کام کرتا' مانو ایسا لگتا سارے جہاں میں اللہ صرف اسی کا ہے۔ اللہ کا گھر اسے ہی پیارا ہے۔ اس گھر کے مالک کا ایک واحد غلام وہی ہے۔ لوگ مسجد کے دروازے پر جوتیاں اتارتے' وہ دور کچی زمین پر ہی اتار دیتا اور ننگے پیر چلتا اندر آتا۔ راستے میں نظر آتے چھوٹے موٹے تنکے کنکر اٹھاتا آتا۔ بڑے دروازے کے ساتھ اپنی آنکھیں ٹکا دیتا۔

اسے مسجد سے نکلنے کی کبھی جلدی نہیں رہتی تھی۔ اپنی زندگی کی بہت ساری راتیں اس نے یہیں گزاری تھیں۔ جب جب وہ مسجد میں اکیلا ہوتا اس محبت سے گھومتا پھرتا جیسے چپکے چپکے اللہ کو ڈھونڈتا ہو اور چپکے سے اللہ کو پالینا چاہتا ہو۔ جب جب اس نے مسجد میں رات گزاری وہ کبھی نہ سو سکا۔ وہ مسجد کے احاطے میں جہاں نماز جمعہ میں کئی سو نمازی سجدہ کرتے تھے بیٹھ جاتا' دونوں گھٹنے جوڑ کر پکڑ کر بیٹھ جاتا چادر کندھوں پر ٹکی زمین پر ایسے پھیل جاتی جیسے لمبے سجدے میں غرق ہو چکی ہو اور ماضی کی غفلت پر توبہ کرتی ہو۔

وہ کوئی ورد نہیں کرتا تھا۔ نہ وہ کلام میں مشغول ہوتا' بہت عرصے بعد اسے معلوم ہوا کہ وہ ایسی حالت میں کچھ یہ کہا کرتا تھا۔

"اللہ ھو۔ اللہ ھو۔ اللہ ھو۔ اللہ ھو۔"

ایک رات ماموں آئے۔ کوئی کتاب لینی تھی۔ حجرے سے احاطے میں اسے ایسے بیٹھے دیکھ کر نہیں ڈرے تھے' کہتے تھے کوئی ہجوم سا تھا۔ سب سر جھکائے گم بیٹھے تھے۔ انہیں چکر سا آیا۔ دیکھا تو وہ اکیلا احاطے میں گھٹنے جوڑے بیٹھا تھا۔ اس کے بعد ماموں نے اسے مسجد میں رات رکنے نہ دیا۔ وہ ماموں کو انکار نہیں کرتا تھا اگر وہ کہتے کہ مسجد نہ آیا کر تو وہ اپنے اللہ کے ساتھ مسجد سے باہر آجاتا۔

بمشکل ساڑھے چار سال کا تھا جب ماموں اپنے ساتھ لے آئے تھے۔

علاقے کے بچے' جوان سب ہی اس پر رشک کرتے ان بچوں جوانوں کے والدین بھی کرتے تھے۔ جتنے بھی بچے اس سے قرآن پڑھ گئے تھے اس کے اخلاق و نرم گوئی کے گرویدہ ہو گئے تھے اسکول آتے جاتے' خاص اسے مسجد آکر سلام کر کے جاتے۔ ایک بہت بڑی جماعت تھی جس میں وہ قرآن پاک پڑھایا کرتا تھا۔ بچے اسے پسند کرتے تھے وہ ان کی ماں کی طرح مشفق تھا۔ آپس کی لڑائی میں اگر کوئی ایک آدھ رونے لگتا تو وہ دیر تک انہیں گود میں بٹھائے رکھتا۔ روتے ہوئے بچوں کو دیکھ کر اس کا جی پھٹنے لگتا۔

"جمالی۔ کالے۔ بھاگ جا۔ مار دے گا تجھے بھی۔"

اس کے باپ نے دوپٹے کا پھندا ابھی کسنا شروع کیا ہی تھا کہ اس کی ماں نے اسے بھگانا چاہا' وہ بت بن کر موت و زندگی کا تماشا دیکھتا رہا۔ روتا رہا۔ روتا رہا۔ اس کا جی پھٹا جاتا تھا۔

حمزہ عزیز جمالی خوبصورت تھا۔ داڑھی اور ہمہ وقت کی چادر گری نے صرف اسے ایک جوان بشر نہ رہنے دیا۔ برے سے برے کردار کی لڑکی بھی اس سے احترام سے ملتی تھی۔

مسجد سے گھر کی طرف اور گھر سے مسجد کی طرف آتے کئی خواتین گھر کے دروازوں میں کھڑی اسے روک لیتیں۔

"جمالی بھائی جی منے کی آنکھ میں پھنسی نکل آئی ہے۔ دم کردیں۔" وہ دم کردیتا۔

"اگلے ہفتے اس کے بورڈ کے پرچے ہیں۔ سر کا درد جان نہیں چھوڑ رہا۔" کسی نو عمر جوان لڑکی کا سر آگے کر دیا جاتا۔ وہ ماموں سے سیکھے حکیمی نسخے بتا دیتا۔ دم بھی کر دیتا۔ کچھ جو اسے گلی میں نہ روک سکتے' وہ مسجد کے حجرے میں بلا جھجک نماز عصر کے بعد آجاتے اور رات گئے تک آتے رہتے۔ ماموں عصر کے بعد باقاعدہ بیٹھتے تھے لیکن صرف مغرب تک باقی لوگ کچھ

دن میں چکر لگا جاتے کچھ قبل از عشاء سے بعد از اں عشاء تک۔

دم کرواتے' پانی پڑھواتے۔ رشتوں کے دعا کرواتے' کسی چھوٹے بڑے نقصان کی بابت پوچھے جاتے وظیفہ و صدقہ' نوافل کا طریقہ لے جاتے' کچھ خواتین صرف خواب بتانے آتیں۔ مولوی عبدالحکیم انہیں تعبیریں بتا دیتے۔ کچھ استخارہ کروانے آتیں کچھ دعا کے لیے کہہ جاتیں' وہ کہتا کہ استخارہ خود کرنا چاہیے لیکن ان پڑھ عورتیں بضد رہتی تھیں کہ وہی ان کا استخارہ کریں۔ جمالی' ماموں جتنا قابل تو نہیں تھا لیکن تھوڑا بہت کچھ کر لیتا تھا۔ مزید وہ نکاح خواں بھی تھا کچھ اتفاقات ایسے ہوئے کہ مولوی عبدالحکیم صاحب نے جن جن کا نکاح پڑھوایا۔ انہیں طلاق ہو گئی یا وہ بیوہ ہو گئیں' کچھ بس گر بھی یوں دکھی رہیں کہ شوہر شکی' نکھٹو' برے اخلاق کے نکلے۔ اور جن جن کے جمالی نے نکاح پڑھوائے۔ وہ ہنستی بستی رہیں تو سب ہی نے بس آپوں آپ ہی یقین سا کر لیا کہ جس کا نکاح حمزہ جمالی پڑھوائے گا وہ لڑکی سکھی رہے گی۔

جناب مولوی عبدالحکیم صاحب بھی خوب جانتے تھے لوگوں کے اس یقین کو' کون سا حسد کرنے والے تھے لیکن بشر ہی تھے تا بھی کبھی سوچا کرتے۔ "قاتل کا بیٹا ہے۔ خون میں گناہ عظیم کا عیب دوڑتا ہے۔" پھر توبہ کرتے۔ تکبر صرف شیطان کو ہی بھلا۔

اکثر لڑکے والوں کا اعتراض ہوتا "یہ اتنا سا لڑکا نکاح پڑھائے گا کوئی برگزیدہ بزرگ مولوی نہیں ہیں آپ کی مسجد میں؟"

"برگزیدگی کے لیے بزرگ نہیں توفیق ضروری ہے بس۔" کسی نے کہا۔

"نکاح تو جی عزیز جمالی ہی پڑھائیں گے۔" پوچھنے والے کو جواب ملتا بعد از اں دلہن کی زبانی سب کو معلوم ہو ہی جاتا کہ نکاح عزیز جمالی سے پڑھوانا ہی کیوں ضروری تھا۔

لڑکیاں' بالیاں جو کبھی روایتی انداز میں لڑتیں تو جل کر بددعا دیتیں۔ "اللہ کرے تیرا نکاح مولوی حکیم ہی پڑھائے۔ عزیز جمالی تیری بارات کے دن شہر سے باہر ہوں' بیمار ہو یا صاف صاف انکار کردیں آمین۔"

نکاح سے متعلق کسی ایسی افواہ کی بھنک اس تک آتی تو وہ شرمندہ سا ہوتا' وہ نہیں چاہتا تھا کہ اسے اس کے ماموں کے سامنے ایسے کھڑا کیا جائے۔ دنیا کے لوگ تو اپنے فائدوں پر عزت و تکریم دیتے ہیں نا۔ لیکن اس کے ماموں نے اسے کسی بھی فائدے کے لیے عزت و تکریم نہیں دی تھی۔ اگر کچھ تھا تو بہن کی محبت اور خوشنودی اللہ۔

دلہنوں کے لمبے گھونگھٹ تلے اس نے کئی بار رجسٹر رکھے۔ قبول ہے قبول ہے اس نے بہت بار سنا۔ کسی مہندی لگے چوڑی سجے ہاتھ نے اس کی توجہ نہ پکڑی۔

"وہ کبھی وجود بشر میں گرفتار محبت نہ ہوا۔"

اس کا باپ قاتل تھا۔ نہ جانے کیا سچ تھا اس کی ماں بیچی یا باپ کی شکی نظر۔ وہ اسے بھی حرامی کہا کرتا تھا۔

"عمر قید کی سزا کاٹ کر وہ کسی باہر کے ملک چلا گیا تھا۔"

اس نے اپنی آنکھوں سے اپنے باپ کو قاتل بنتے دیکھا تھا اس کی ماں کی آنکھیں ابل رہی تھیں۔ اور موت کے پر اس کی پشت سے ہو کر آنکھوں کے سامنے پھڑپھڑا رہے تھے۔ وہ آنکھیں موت سے خوف زدہ نہیں تھیں وہ تو بس نوحہ کناں تھیں کہ انہیں ایسے غلیظ الزام کے سائے تلے موت کے مقدس دروازے کی طرف وداع نہ کیا جائے۔

حمزہ عزیز جمالی کو اسی عمر سے چپ لگ گئی تھی۔ اسے موت سے نفرت نہ ہو سکی کیونکہ اس کا باپ قاتل تھا۔ اسے زندگی سے محبت نہ ہو سکی کیونکہ اس کی ماں مقتولہ ہو چکی تھی۔

وہ موت کی حیات سے باہر نکل آیا تھا۔ اسی وقت دادا مرحوم نے اس کی آنکھوں کو چوما تھا "اللہ والیوں۔ اللہ والیوں۔"

موت و حیات سے پرے ان آنکھوں میں دیکھ کر لوگ نظریں جھکا لیتے تھے۔ مودب سے ہو جاتے تھے۔

"اللہ والیوں۔"

وہ بشر کی آنکھیں تھیں۔وہ بشر سے خالی تھیں۔

دادا مرحوم نے اپنے بیٹے کو خود پولیس کے حوالے کیا اور اسے ماموں کے۔

ماموں اسے لے آئے' بے چارے ڈرے ہوئے تھے اس کے خون سے' رات دن ایک ہی سبق دیتے تھے۔

"بچے عزیز جمالی جہاں سے آئے ہیں سب ہی کو وہیں واپس جانا ہے' دُنیا میں کتنے بھی ہاتھ پیر مار لو گھوڑے دوڑالو۔ ٹھیک اسی جگہ جانا ہے۔ جس بنیاد سے اکھاڑ کر اس عارضی ٹھکانے بھیجا ہے۔ پر جیسے پاک صاف آئے تھے ویسے پاک صاف ہی جائیں تو بات بن جائے۔"

"اچھا۔ پھر بات بن جائے گی۔" بہت سالوں بعد مسجد کے احاطے میں صادقین کی فائل بہ سجدہ آیات کی طرح سر جھکا کر اس نے خود سے پوچھا' خود کو جتایا تھا۔

ایک دن مولوی حکیم نے اسے حالت نماز میں دیکھ لیا تو رو پڑے۔

اُس کا باپ قاتل بنا' اس کی ماں مقتولہ بنی' وہ حالت نماز میں نہیں تھا۔وہ تو بات بنا رہا تھا۔

☼ ☼ ☼

حجرے میں بیٹھا وہ صحیح مسلم بخاری پڑھ رہا تھا وقفے وقفے سے خواتین آتی جارہی تھیں اپنے مسائل لے کر۔

"مولوی جی' اسے دم کردیں کہتی ہے سر پھٹا جاتا ہے۔" خاتون لاپروائی سے دوپٹا اوڑھے لکڑی کے بنچ پر آکر بیٹھ گئیں ساتھ ہی ایک لڑکی درد سے بے حال ہوئی آنکھیں تقریباً" بند کیے بیٹھی تھی۔

"یہ پانی لائی ہوں' اسے بھی دم کروانا ہے۔ دو دن سے تڑپ رہی ہے۔ گوجرانوالہ گئے تھے شادی میں' وہیں نظر لگی کہ ٹھنڈ لگی' درد جانے کا نام نہیں لے رہا۔"

وہ چبوترے پر بیٹھا تھا۔ سر ہلا کر آیات پڑھنے لگا۔ ماں پیچھے کو کھسک گئی اور لڑکی چبوترے کے قریب ہو کر بیٹھ گئی۔وہ مسلسل اپنا سر مسل رہی تھی اور ہائے ہائے کر رہی تھی۔

جمالی نے ذرا سا آگے کو جھک کر لڑکی کے سر پر پھونک مار دی۔

پھونک کی ہلکی سی ہوا اسے ناگوار گزری یا اسے سکون ملا۔ لڑکی نے جھٹ اپنی آنکھیں کھول دیں۔ ہائے ہائے رک گئی۔ آہ میں ڈوبی آنکھیں مجسم ہو گئیں۔ان آنکھوں میں درد کہاں تھا۔

وہاں تو کچھ اور ہی تھا۔ کیا تھا۔ کیا تھا۔؟؟ وہ درد ہی نہ تھا صرف۔ جمالی دوسری پھونک مارنا بھول گیا۔

جمالی جان نہ سکا۔وہ دیکھ ضرور رہا تھا لیکن پا نہیں رہا تھا۔

اگر جوگی کا کوئی جوگ تھا تو وہ اس کی آنکھیں تھیں۔

اگر عشق مجسم صورت کہیں تھا تو وہ ان آنکھوں میں ہی تھا۔

لیکن وہ کسی مفہوم میں ملفوف (سربند) تھیں وہ جان نہ سکا۔

ہائے ہائے کرتے لڑکی نے آنکھیں بند کرلی تھیں لیکن وہ جمالی کے اندر وا ہو چکی تھیں۔وہ دنگ تھا لیکن انجان تھا کیوں ہے۔ میگھ ملہار کو نجا۔ چھم چھم بارش ہونے لگی۔ اسے اچھا لگا۔

خالہ بتول کی لائی پانی کی بوتل اس نے کانپتے ہاتھوں سے پکڑی اور بہت دیر لگی لیکن پانی پر اس نے دم کر ہی دیا۔

"اس کے لیے دعا کریں ذرا۔ مجھے تو شک ہے کوئی سایہ وایہ ہو گیا ہے اسے۔ روتی رہتی ہے ہر وقت۔ کل رات اٹھ کر جو پاگلوں کی طرح دھاڑیں ماریں اس نے۔ میں تو ڈر گئی۔"

اس نے سورہ الناس اور سورہ الفلق پڑھنا شروع کی لیکن دوبارہ اس کی طرف نہ دیکھا۔

"ایسی کوئی بات نہیں ہے خالہ جی۔ ٹھیک ہو جائے گا سر درد۔"

"مجھے ایک اور دم کردیں مولوی جی!" زمین کی آخری تہہ میں دبے ہوئے انسان کی سی آواز نکلی اس کی اور آنکھوں سے آنسو رواں ہوگئے اور ہائے ہائے کی تکرار رک کر خاموش دہائی میں بدل گئی۔

"بڑی وحشت ہوتی ہے جی مجھے۔ مولوی جی۔ مولوی جی۔" اس نے سینہ مسلا "میرا دل پھٹا جاتا ہے۔ میرا اندر۔"

"پنڈ تھا وہ' جہاں ہم گئے تھے مجھے تو یقین ہے کچھ دیکھ آئی ہے وہاں ڈر گئی ہے۔"

جوگی کا جوگ آنکھوں کے رستے بہنے لگا وجود کے آرپار دکھائی دینے لگا۔

"میرا جی چاہتا ہے جی میں مرجاؤں۔ میں مرجاؤں جی۔"

اس نے یہ کہتے آنکھیں پھر سے پوری کھول دیں۔ جمالی کی آنکھیں ان آنکھوں میں گڑ گئیں۔ نہیں' ویسے نہیں جیسے مرد کی عورت کی آنکھوں میں گڑتی ہیں۔ پھر کیسے۔ جیسے بھی بس وہ ان آنکھوں سے ہٹنے کو تیار نہ تھیں۔وہاں عشق مجسم صورت لیے پھیل کر جما تھا۔

وہ سانولی سی تھی' لمبی پتلی' مڑی تڑی سی' نہ جانے کس رنگ میں سے ڈوب کر ابھری تھی۔ کس رنگ سے یک رنگ ہوئی تھی کہ حمزہ عزیز جمالی کی نگاہیں نہ تھکتی تھیں۔ بس تکتی تھیں۔

وجد در وجد اور جمال در جمال کی وہ دہلیز پر جا کھڑا ہوا۔

یہ کیا ہوا ؟

وہ تو چبوترے پر حجرے میں بیٹھا تھا۔وہ مسجد کے احاطے میں عشق یار میں کیونکر جھوم رہا تھا۔ اس کا وجود تو حجرے میں بیٹھا تھا۔

جمالی نے ایک اور دم کردیا۔ اور اپنا سینہ مسلنے لگا۔

"ہائے ہائے" فراق کی دہائی میں بدلی۔

ماں بیٹی دونوں چلی گئیں۔

دم کرکے وہ بے دم ہو گیا۔

خاموش ہی رہتا تھا لیکن اس بار ایسی خاموشی تھی کہ مامی نے عجیب بات پوچھی۔ "ماں یاد آرہی ہے جمالی؟"

اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔ بھولے گی تو یاد آئے گی نا۔

"اچھا۔ تجھے دیکھ کر دل کو ہول پڑ رہے ہیں۔" "رونے کو دل چاہتا ہے۔ جی چاہتا ہے دنیا داری چھوڑ کر کہیں روپوش ہو جاؤں۔"

وہ مامی کی صورت دیکھنے لگا۔

شادی کے اکیس سال بعد مامی ماں بننے جارہی تھی۔ ایک بار اسے نفلی عبادت کرتے دیکھ کر رونے لگی جب تک اس نے سلام پھیرا تب تک وہ جائے نماز کے قریب زمین پر بیٹھ کر روتی رہی ہچکیاں لیتی رہی۔ پھر اس کے گھٹنوں پر ہاتھ رکھ دیے۔

"تو دعا کر جمالی ! ایسے ہی جیسے عبادت کر رہا تھا۔ ایسے ہی دعا کر۔ مجسم دعا بن جا میرے لیے۔ میرے پاس بھی کوئی تیرے جیسا ہو کہ جس کی اذان پر میں نماز کی تیاری کرنے لگوں۔ ایسے ہی جمالی میرے بچے جیسے تو عبادت کرتا ہے۔ میرے لیے فریاد کردے۔"

وہ مبہوت مامی کو دیکھتا رہا' ایسی شدت اور چاہت جس پر مامی بچھی بچھی جاتی تھی' وہ فدا ہو گیا۔ اتنی چاہ۔ ایسی چاہ۔

اسے اپنی عبادت بے کار لگی۔ اس میں ایسی چاہت تو نہ تھی۔ اسے بدگمانی ہوئی۔ اس میں یہ شدت نہ تھی۔

اس نے خود کو از سر نو جانچا۔

☼ ☼ ☼

اگلے دن خالہ بتول آئیں ہدیے کے ڈبے میں سو روپے ڈالے۔

"وہ کہتی ہے مولوی جی جادوگر ہیں۔ سکون سے سوئی رات بھر' پانی میں نے سارا پلا دیا تھا' یہ بوتل لائی ہوں۔

اسے بھی دم کردیں۔"

اس نے بول دم کر کے دے دی' عشاء کے بعد اپنے چھوٹے بھائی کو لے کر عائشہ فاطمہ آئی۔ اس کی سیاہ چادر کے ساتھ تنکے الجھتے تھے اور چادر کے پلو مٹی سے اٹے تھے' شلوار قمیص سے نہیں ملتی تھی اور چادر لباس کے ساتھ' منہ سر اور ہاتھوں پر بھی مٹی لگی تھی وہ یقیناً" آتے ہوئے گر گئی تھی اس کے بھائی نے اس کا ہاتھ مضبوطی سے پکڑ رکھا تھا۔

"مولوی جی دل پھٹا جاتا ہے جی۔ آگ لگی ہے جی اندر۔ کچھ کردیں۔ کچھ تو کردیں مولوی جی۔"

کچھ کرنے کے لیے وہ کہہ رہی تھی جو عزیز جمالی پر بہت کچھ کرچکی تھی۔

"کیا ہوا ہے۔ خواب میں تو نہیں ڈر گئی؟"

"پتا نہیں جی کیا ہوا ہے۔ بس جی کچھ کردیں۔ آگ لگی ہے اندر۔"

اس کے اندر واقعی آگ بھڑکی تھی۔ اس کا وجود مجسم آتش نظر آتا تھا۔ آخر یہ آگ اسے کیونکر لگی۔

عزیز جمالی کو جتنے دم درود آتے تھے اس نے پڑھ کر اس پر پھونک دیے اور لکڑی کے بینچ پر بیٹھے بیٹھے اس نے ایک ذرا سکون کا سانس لیا۔ وہ دہائی سے آہ میں بدلی۔ اپنے سر منہ کی مٹی چادر کے پلو سے صاف کرنے لگی۔

"آپ بڑے اچھے ہیں جی۔ میں تو کملی ہوگئی ہوں۔ جادوگر ہیں آپ! اماں کہتی ہیں ولیوں کی روح ہے آپ میں۔ بزرگوں کے سائے میں بیٹھتے ہیں آپ جی۔" وہ جھک کر رکی اپنے بھائی کی طرف دیکھا حجرے میں رکھی چیزوں کو دیکھ رہا تھا۔

وہ بول رہی تھی ایسے لگتا تھا کلام امیر خسرو کو مناجات میں شامل کرتی ہو' جیسے سنگیت کار نے اس راگ کو جا پکڑا ہو جو اسے ابن الوقت بنانے والا ہو' وہ چپ ہوئی تو ایسے لگا لاکھوں کروڑوں مجاوروں نے اپنی سانسیں روک لی ہو۔ حق ہو کا ورد انہیں جذب کرنا ہو۔

"وہ جی کچھ کردیں جی۔ مولوی جی۔!" بہتے پانی پر چلنے کے سے انداز سے اس نے کہا کوئی اسے اس پار لگادے۔ کوئی تو۔

وہ کس پانی پر چل رہی تھی۔ اسے کس پار جانا تھا۔؟

پھر وہ ایک دم سے کھڑی ہوگئی اور چلی گئی۔ زمین پر بچھ بچھ جاتی اس کی چادر پر عزیز جمالی نے کئی بوسے دیے نظر سے ۔

عزیز جمالی عبادت کے لیے کھڑا ہوتا تو اسے لگتا اس کی عبادت کھوکھلی ہے۔ وقت تہجد وہ کئی گلیوں کو پار کر کے مسجد تک کا سفر کرتا تو اسے لگتا اس کے آگے پیچھے کا قافلہ اس سے بچھڑ گیا ہے۔ جیسے ہی وہ عائشہ فاطمہ کے بارے میں سوچتا سب کچھ کھوکھلا ہوجاتا۔ آخر وہ کس مقام پر کھڑی تھی کہ اسے دیکھتے ہی اس کے پاتال کا سفر جاری ہوجاتا وہ "کی جاناں میں کون" ہوجاتا "نہ میں مومن وچ مسیتاں۔" اس کا پول کھل کھل جاتا۔

اگلے دن وہ پھر آئی۔ اس بار اکیلی تھی شلوار کے پائنچے مٹی سے اٹے تھے۔ یہی حال چادر کے کونوں کا تھا آنکھوں کی حالت ایسی تھی جیسے آگ اپنی منزلیں طے کرتی ساتویں آخری منزل پر جا ٹھہری ہو۔

"مجھے تعویذ لکھ دیں جی!" اس نے ایسی منت سے کہا جس منت سے مرید اپنے مرشد کو جا پکڑتا ہے۔

"میں تعویذ نہیں لکھتا۔ ماموں جی لکھتے ہیں۔"

"بڑے مولوی جی۔" وہ بہت مایوس ہوئی ایسے لگنے لگا جیسے دھاڑیں مار کر ایسے روئے گی کہ انت کردے گی انت ہی ہوگی پھر۔

اس کے جاتے ہی عزیز جمالی پر بے سکونی موسلا دھار بارش کی طرح برسی' وہ گھر کی طرف بھاگا اور رضائی لپیٹ کر سوگیا۔ مامی حیران پریشان کئی بار آئی اسے کانپتے ہوئے دیکھ کر گئی۔ مولوی جی آئے اسے دم کیا بخار دیکھا لیکن بخار نہیں تھا۔

دونوں میاں بیوی نے سوچا' لاکھ انکار کرے اب

اس کی شادی کر ہی دیں گے۔ کئی دن بعد اس کی حالت سنبھلی تو مامی نے بڑے پیار سے پوچھا۔

"شادی کردیں تیری؟"

وہ خاموش رہا۔ "تیرے ماموں کو بہت سے لوگوں نے کہہ رکھا ہے۔ میں چاہتی ہوں۔ لڑکی سیدھی سادی ہی ہو۔ آس پاس کے گھروں میں کئی لڑکیاں ہیں' بڑا پیار کرتے ہیں تجھے سب' صاف صاف کہہ جاتے ہیں کہ ان کی خوش قسمتی ہوگی اگر تو انہیں عزت دے۔ کیا کہتے ہو۔ ہاں کردوں اپنی پسند سے ؟"

وہ خاموش رہا۔ ابھی وہ خود ہاں ناں میں تھا شاید اس کی ماں نے بھی کہا ہو۔ اگر نہ بھی کہا ہو تو مامی کے جانے سے ہی۔ عائشہ فاطمہ اور عزیز جمالی اس سوچ سے وہ بے چین سا ہوگیا اور کمال کی بات کہ اسی پر وہ فدا سا ہوگیا جیسے کامل طالب کو اسباق کامل ملنے والا ہو۔

وہ رات دن اسے سوچ رہا تھا جیسے حرف بہ حرف قاعدہ عشق پڑھ رہا ہو۔ وہ لفظ لفظ پر دنگ رہ جاتا۔ فدا ہو ہو جاتا لیکن جیسے جیسے پڑھتا جارہا تھا۔ تشنگی سے مرنے کے قریب ہوتا جارہا تھا۔

بتول بی بی آئی۔ حجرے میں بڑی حواس باختہ سی تھی ایک پرچی آگے کی۔ اس پر ایک مردانہ ایک زنانہ نام لکھا تھا دوسری طرف عائشہ فاطمہ والدہ بتول بی بی لکھا تھا۔

"ان کا استخارہ کردیں جی!" اس نے ایک گہری سانس بھی لی عزیز جمالی کی آنکھوں کے آگے شب گیر ناچنے کودنے لگے۔

"میرا جیٹھ ہے صدیق سالک اور ایاز اس کا بیٹا۔ کل آئے تھے۔ میرے پیروں میں سر رکھ دیا۔ میں نے بھی کہہ دیا مولوی صاحب سے مشورہ اور استخارہ کرواؤں گی دل مطمئن نہ ہوا تو صاف انکار ہے۔"

بتول بی بی نے آہ سی لی۔

"میرا جوان بیٹا مارا تھا اس مردود نے۔ گاؤں میں زمین کا جھگڑا تھا۔ بدلے میں اس کا بیٹا پھانسی چڑھ گیا۔ کیسے رشتہ دے دوں۔ کیسے دے دوں مولوی جی۔ پر اپنی پگڑی رکھ گیا ہے ہمارے پیروں میں' کہتا ہے جوان بیٹا زہر کھالے گا۔ مرجائے گا۔ ایک مر گیا ہے۔ دوسرے کو کیسے مرے دیں۔ مرجائے میری بلا سے۔ پر۔"

اس نے آہ سی لی۔

"پنڈ شادی میں کیا گئی یہ بلائیں جان کو آگئیں۔ اپنی ساری زمینیں دینے کو تیار ہیں پر اب کیا فائدہ میرا شیر جوان بیٹا مار ڈالا نا۔" بتول بی بی آنکھیں صاف کرتی رہیں "میں کل آجاؤں گی۔ استخارہ بھی کردیجیے گا جی۔ ٹھیک ٹھیک دیکھیے گا جی۔ مجھے بڑا اعتبار ہے آپ پر۔ پھر چاہے زہر کھائے کہ پھانسی چڑھے میری بلا سے۔ میرا شیر جوان بیٹا۔ کیسے دے دوں رشتہ۔ پر حالت دیکھی نہیں جاتی اس کی۔"

مسجد کے خادم کی طبیعت ناساز تھی اس لیے آج مسجد میں اسے ہی رہنا تھا۔ احاطے میں بیٹھ کر وہ دیر تک اس کے حق میں دعا کرنے کی کوشش کرتا رہا پر ہاتھ نہ اٹھے گھر سے آیا اس کا کھانا ٹھنڈا ہوچکا تھا جس بستر پر اسے سونا تھا وہ بے شکن پڑا تھا۔ کندھوں پر گری کالی چادر زمین پر بچھی جارہی تھی۔

استخارہ بہترین تھا۔

لڑکا لڑکی کے لیے ٹھیک تھا۔ لڑکی لڑکے کے لیے۔

پھر حمزہ عزیز جمالی کا کیا ہوگا؟

عشاء کی نماز کے بعد وہ کوئی پچاس بار حساب لگا چکا تھا۔

اس کی مرضی کا حساب آ کر ہی نہیں دے رہا تھا۔

چاروں اطراف محرابی برآمدوں کے بیچوں بیچ عزیز جمالی سجدہ کرتی کالی چادر لیے کسی اور کے لیے ہی قیام کیے بیٹھا تھا۔

یہاں اب کوئی خدائی سوال نہ تھا۔ آس پاس کوئی ہجوم محسوس نہ ہوتا تھا۔ وہاں کوئی چغہ پوش۔ روپوش کسی صورت موجود نہ تھا۔ کیونکہ وہاں کسی بشر کا سوال نکالا جارہا تھا۔ عبادت گاہوں کو انسان نہیں "عشق" آباد کرتے ہیں وہاں اب کوئی عاشق نہ تھا سوال بشر کا

نکالا جارہا تھا جواب بشر کا چاہیے تھا۔ مسجد ایسے ہوئی جیسے صدیوں سے ویران ہو وہاں کبھی رقص طالب نہیں ہوا۔ مسجد میں ایسا سناٹا پھیل گیا جو صحرائے عرب میں ظہور نبی آخر الزماں سے پہلے پھیلا تھا۔ آنکھیں عائشہ فاطمہ اور ایاز سالک پر گڑی تھیں۔

رات پل پل بدل رہی تھی اور ایسے منظر کی تاب نہ لا رہی تھی سوال عشق تھا۔ جواب بشر تھا۔ اسے خبر نہ ہوئی اس کا سوال ایک ہی رہا جواب کب بدل گیا۔ اسی احاطے میں بیٹھ کر "اللہ ہو۔ اللہ ہو۔" کرنے والا آج وہ۔ وہ۔ کر رہا تھا۔

"ماں جی کو خالہ بتول کے گھر بھیج دے گا۔"

نفس کی تہوں میں موجود شب گیر (علامتاً "ابلیس) قہقہہ لگا کر ہنسا۔

"بس اتنی سی بات تھی سالوں کی "ریاضت" دنوں میں ایک لڑکی کے لیے ملیامیٹ کر دی۔ بس یہی تھی اصلیت تمہاری۔ بس۔"

اس نے کاغذ قلم ایک طرف رکھ دیا' سب اس کے ہاتھ میں تھا قلم کا کیا تھا۔

سوال عشق جواب بشر اس نے نکال لیا تھا۔

مسجد ویران ہوتی گئی' قافلے کی صورت روپوش ہو کر آنے والوں نے اپنا رخ بدل لیا۔ "حق ہو" میں جذب ہوتے مجاوروں نے بڑی دردناک آہ لی۔ وہ احاطے میں ہی بیٹھا رہا کالی چادر جو اس کے باپ کی تھی اس کے باپ کی ہوئی۔ سوال بشر۔ سوال بشر۔ سوال بشر۔

مسجد کے پھاٹک میں اس نے کسی کے آنے کی آہٹ سنی پھر کسی نے کسی قدر آہستگی لیکن شدت سے پھاٹک کا کنڈا بجایا۔ عزیز جمالی نے اٹھ کر پھاٹک کھولا اور جہاں کھڑا تھا وہیں کھڑا رہ گیا۔ سیاہ چادر میں وہ جوگ سیاہ کھڑی تھی جس پر قافلے والوں نے اپنا رخ اس سے موڑ لیا تھا۔ محبوب حقیقی پر جس کا نام اس نے خود لکھا تھا۔

"مجھے معاف کر دیں جی مجھے اندر آنے دیں جی!"

جاڑے کی سرد ترین رات میں دھند کو چیرتی وہ مسجد میں آنے کی اجازت لینے آئی تھی عزیز جمالی ایک طرف ہو گیا وہ اندر آ گئی۔

"میں آپ کے گھر گئی تھی۔ خالہ جی نے کہا۔ آپ آج رات مسجد رہیں گے۔ مجھے معاف کر دیں جی۔ میں آ گئی .... بڑا ظلم ہو جاتا اگر میں نہ آتی۔" دونوں آمنے سامنے کھڑے تھے۔

"اماں آئی تھی نا کل آپ کے پاس نام دے گئی ہے نا آپ کو۔ اماں ... کل پھر آئے گی آپ کے پاس جواب لینے مولوی جی۔" وہ یک دم اس کے قدموں میں گر گئی اور اس کے پیروں پر اپنے ہاتھ رکھ دیے عزیز جمالی بت بن گیا۔

"اللہ کا واسطہ ہے مولوی جی! اماں سے کہنا لڑکا بہت اچھا ہے۔"

"لڑکا اچھا نہیں ہے۔" عزیز جمالی نے بے ساختہ جھوٹ بولا۔

"وہ تو میرا سائیں ہے جی! کیسے منہ موڑ لوں۔ آپ جی۔ آپ جی۔ آپ جی کہہ دیجیے گا۔ خدا رسول کا واسطہ ہے جی۔"

"اگر کوئی اور اس سے بہتر تمہیں مل جائے اور وہ بہت خوش رکھے۔ بہت۔"

"اس سے بہتر کوئی نہیں ہو سکتا جی میرے لیے۔ کچھ نہیں چاہیے خوشی بھی نہیں۔ کچھ نہیں چاہیے جی۔ تخت و تاج ملے یا کوئی بادشاہ۔ سودا نہیں ہے جی۔ بیوپار کیسے کروں۔ مر نہ جاؤں۔"

"سودا نہیں ہے جی۔ بیوپار کیسے کروں؟" عزیز جمالی کے اندر گہرے سناٹے پھیل گئے۔

"مجھ پر رحم کریں جی۔ اللہ رسول کا واسطہ ہے۔ میں مر جاؤں گی۔ مرنا آسان ہے جی۔ اس کے بغیر کیسے رہ لوں جی۔ خود کو اسے سونپ بیٹھی ہوں۔ مر جاؤں گی جی۔ مر جاؤں گی۔ اماں کو کہہ دیجیے گا۔"

"عزیز جمالی۔" سرگوشی ابھری۔ "یہ مر جائے گی۔ وہ مر جائے گا۔ بنام عشق دونوں فنا ہو جائیں گے۔ یہ فنا کو پا جائیں گے سوال نہیں بدلیں گے۔ فنا ہو جائیں گے سودا نہیں کریں گے۔"

عزیز جمالی نے اس مجسم عشق کی طرف عقیدت سے دیکھا۔ "تو یہ تھا وہ جوگ جسے اس کی آنکھوں میں دیکھ کر وہ جوگی ہو گیا تھا' وہ دھڑلے سے دل لگا بیٹھی تھی اور عملی ہو گئی تھی۔ رات کے ان پہروں میں وہ عبادت کے لیے کھڑا ہوا کرتا تھا اور وہ اپنا رانجھا پانے نکلی تھی۔ وہ رحمٰن سے دل لگا بیٹھا تھا اور سوال بدل بیٹھا تھا۔

وہ ایسے سانسیں لے رہی تھی جیسے کوئی اس کے اندر اس کی حیات کی جڑیں کاٹ رہا ہو۔ حیات جو وہ کسی اور کو بنا بیٹھی تھی۔

"کچھ کریں جی۔ کچھ کریں جی۔" وہ سینہ مسلنے لگی۔

عزیز جمالی سر سے پیر کے انگوٹھے تک جل گیا۔

وہ اپنا سوال بدل بیٹھا تھا۔ وہ کیا کر بیٹھا تھا۔ جس سوال پر کوئی بیوپار نہیں اس پر وہ بشر کا سودا کر چکا تھا۔

"ہائے ہائے۔" وہ کھڑا کھڑا جل گیا۔

"تو من شدی (تو میں ہوا) تو من شدی کی تسبیح پڑھتا وہ اپنی تسبیح توڑ بیٹھا تھا۔

میں۔ میں۔ تو کون؟ وہ اس پاتال میں آن گرا تھا وہ مر کر فنا ہو جائے گی۔ وقت تہجد اٹھ کر رقص یار کرنے والا فنافی اللہ نہ ہوا۔

وہ کھڑی سینہ مسل رہی تھی۔ اس کے اندر آگ لگی تھی۔

وہ اپنی آگ بجھا بیٹھا تھا۔ وہ ٹھنڈا نکلا ـــــ اس نے جھٹ پٹ اپنا محبوب بدل ڈالا۔ اتنی سی لڑکی۔ ایسی گہری رات۔ ایسی ضد۔ ایسا ڈھیٹا عشق۔

اتنا بڑا مرد۔ توفیق عشق اور یہ اوقات۔ یہ اوقات۔

عائشہ فاطمہ پھر سے اس کے پیروں میں گرنے کو تیار تھی۔ ابھی ناسمجھ تھی سمجھ دار ہو جائے گی تو اللہ کا در ایسے جا پکڑے گی کہ لوح قلم ہلا ڈالے گی۔ ایسی استقامت۔ ایسی دلیری۔ ایسا منصب۔

عزیز جمالی کی کیا اوقات تھی۔ اسے معلوم ہوا۔ یہ بھی کہ جب اس کی پاک باز ماں کا گلا گھونٹا جا رہا تھا تو اس کے ہاتھ میں شہادت آتی جا رہی تھی اور اس کا باپ گناہ عظیم کا مرتکب ہو رہا تھا۔

عائشہ فاطمہ کو اپنے حصے میں لکھتے وہ بھی گناہ عظیم کا مرتکب ہوا تھا۔ محبوب حقیقی پر ایسا بیوپار کرتے۔ وہ۔ وہ۔

جاڑے کی سرد رات سرد تر ہو گئی۔ عائشہ فاطمہ آنسو پونچھتی گھر کو چلی گئی' نیک نامی اور بدنامی کو پرے دھکیلتے ہوئے وہ ہر حد سے پار ہو جانے والی تھی۔ ہر کس و ناکس میں یہ کمال نہیں۔

ہر کس و ناکس کو توفیق حقیقی نہیں۔ جمالی نے جان لیا اس نے سسکاری بھری۔

"وقت تہجد ہے۔"

مولوی عبدالحکیم گھر سے مسجد بھاگے آئے وقت گزرا جاتا تھا تہجد کی نماز کا اعلان نہ ہوا تھا۔ مسجد کا بڑا پھاٹک کھلا ملا اور یکدم انہوں نے پھاٹک کی دہلیز مضبوطی سے تھام لی اور چکرا کر گرتے گرتے بچے دھند میں لپٹے ایک وجود کو انہوں نے دیوانہ وار بہت دور ایک کارواں کی طرف بھاگتے دیکھا' باطن کی آنکھ سے انہوں نے آخری بار حمزہ جمالی کو دیکھا پھر وہ دنیا داروں کو آباد کاریوں میں کبھی نظر نہ آیا۔

☆